حضرت

مجدد الف ثانی

تعارف اور تجدیدی کارنامے

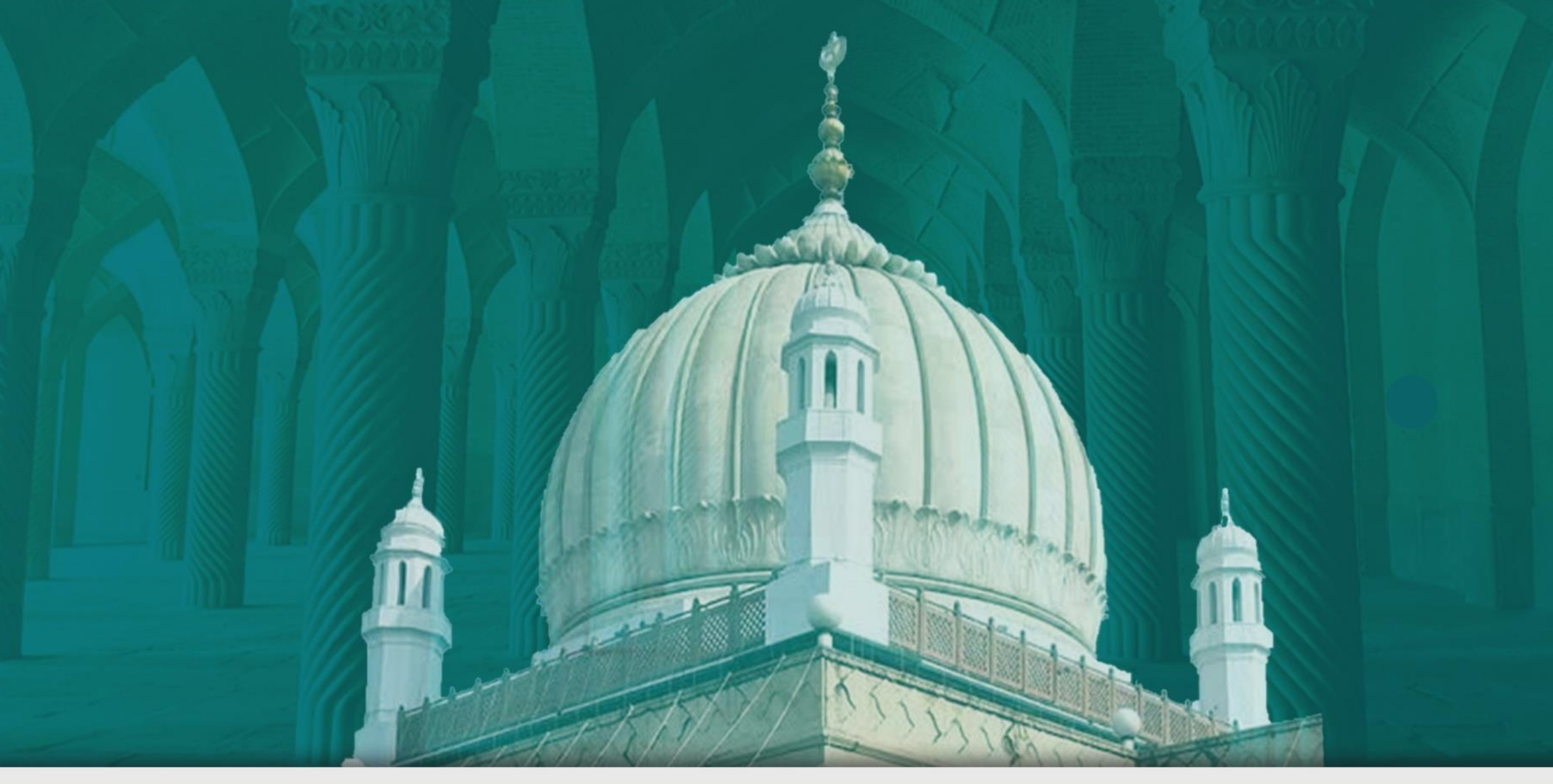

مقالہ نگار

محمد شاہد محمود

فاضل مدرسہ عربیہ تبلیغی مرکز رائیونڈ 2021

شریک کلیۃ الفنون 2022

جامعۃ الحسن ساہیوال

نگران اعلیٰ: مفتی ساجد الرحیم صاحب دامت برکاتہم العالیہ

نگران مقالہ: مولانا محمد اسامہ طارق صاحب

انتساب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ثناء اور صد شکر اس اللہ عزّوجلّ کی پاک ذات کا، جس نے مجھے یہ مقالہ لکھنے کی توفیق عطا فرمائی اور درود و سلام ہو اللہ رب العزت کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ میں اپنے اس مقالے کو اپنے مشفق والدین کے نام کرتا ہوں، جن کی مخلصانہ کاوشوں، بھرپور محنت، جدوجہد، نیک تمناؤں و نیک خواہشات، آرزوؤں اور دعاؤں کی بدولت اللہ تعالی نے بندہ کو اس خدمت کی توفیق دی۔ اللہ رب العزت ان کو دنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر سلامت رکھے۔ آمین۔

میں ممنون ہوں اپنے مادرِ علمی **مدرسہ عربیہ دارالعلوم** (30 گجیانی چشتیاں) کا، جس کے آغوشِ تربیت میں لکھنا، پڑھنا سیکھا، وہاں کے اساتذہ کرام کے لیے دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اُن کی زندگیوں میں برکتیں عطا فرمائے اور ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ اپنے مادرِ علمی کی طرف اس مقالہ کی نسبت کرنا اپنے لیے اعزاز اور باعثِ سعادت سمجھتا ہوں، اللہ رب العزت اس ادارے کو دن دگنی رات چگنی ترقیاں عطا فرمائے، اس کا فیض پوری دنیا میں پھیلائے اور ہر طرف سے اس کی حفاظت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اظہار تشکّر

میرا دل اور میری زبان ان تمام حضرات کا حقِ شکر ادا کرنے سے قاصر ہے، جنھوں نے اس مقالہ کی تیاری میں میری مدد، حوصلہ افزائی اور راہنمائی فرمائی، بس دل کی گہرائی سے ان حضرات کے لیے دعا گو ہوں، بالخصوص جن حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں، وہ میرے شفیق اور مہربان والدین اور اساتذہ ہیں جن کی تعلیم و تربیت اور نیک تمناؤں سے میں اس قابل ہوا کہ چند سطریں لکھ سکوں۔

بالخصوص ہمارے انتہائی شفیق اور مربی استاذ شفیق الطلباء حضرت مولانا مفتی ساجد الرحیم دامت برکاتہ (مدیر جامعۃ الحسن ساہیوال) کا بے حد ممنون اور مشکور ہوں کہ جنھوں نے ہمیں تعلیم و تربیت کے لیے اچھا اور صاف ستھرا ماحول دیا۔ اللہ رب العزّت ان کی زندگی میں برکتیں عطا فرمائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے فیض یاب ہوں اور "جامعۃ الحسن ساہیوال" کے بہت ہی پیارے استاذ ناظم تعلیمات جناب مفتی محمد ادریس صاحب مدّظلہ کا اور نگران مقالہ مولانا محمد اسامہ طارق صاحب حفظہ اللہ کا مشکور ہوں کہ جنھوں نے مقالہ لکھنے میں میری مدد کی اور ترغیب دی، اللہ رب العزت ان حضرات کا سایہ ہم پر تادیر قائم رکھے اور ان کی زندگیوں میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد شاہد محمود

شریک کلیۃ الفنون

جامعۃ الحسن ساہیوال

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	نام ونسب	5	15	گوالیار کی قید کے اسباب	11
2	خاندان	5	16	جیل گوالیار میں سنت یوسفی	13
3	سلسلۂ نسب	5	17	دوران قید کی نعمتیں اور لذتیں	13
4	تعارف	5	18	جہانگیر پر اثر	14
5	آپ کی ولادت کے متعلق اولیاء کی بشارتیں	6	19	شیخ مجددؒ کی عادات اور معمولات	16
6	تذکرۂ ولادت	6	20	تحصیل علم	17
7	ظہور قدسی	7	21	شیوخ واساتذہ	18
8	ولادت	7	22	مشہور خلفاء	18
9	اثنائے ولادت کے واقعات	7	23	بیعت وتکمیل	19
10	زمانۂ طفولیت	7	24	حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارنامے	20
11	سرہند کے حالات	8	25	ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت	21
12	اہم واقعات وسفر	9	26	شیخ مجددؒ کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ	21
13	لاہور کا سفر	10	27	حضرت مجدد کی تصنیفات اور رسائل	24
14	بادشاہ وقت جہانگیر کا حضرت مجدد کے ساتھ رویہ	10	28	شیخ احمد سرہندیؒ کی وفات	24

افتتاحیہ

آج ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے آسمان پر جتنے تارے چمک رہے ہیں، اس تاروں میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا اسمِ گرامی سب سے زیادہ ممتاز ہو کر جگمگا رہا ہے، آپ کی عظمت و بزرگی کا پرچم شہرت کی ان چوٹیوں پر لہرا رہا ہے جن پر پہنچنا بہت دشوار ہے، اصحابِ زہد و تقوی، عزم وہمت، کی آبادیوں میں جا کر دیکھو اور اندازہ لگاؤ، کہ آپ رحمہ اللہ کے اعتقاد، تمنّا و جوش کی اداؤں اور آپ کی زبان مبارک کی حرکت اور ہاتھ کے اشارے پر دل والے لوگ کس طرح کھنچے چلے آتے ہیں، الہام اور محنت و مشقت والوں کی مجالس کا مشاہدہ کرنے والوں سے پوچھو، کہ کتنے لوگ ہیں جو آسمانِ ولایت کے اس آفتاب کے نور سے فیض یاب ہو رہے ہیں، رات بھر تسبیح میں مشغول ہونے والوں، پرہیز گاروں کے دروازوں پر جا کر دستک دینے والوں سے دریافت کرو، کہ کتنے لوگ ہیں جن کو اس ذاتِ گرامی سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کسبِ فیض کا فخر حاصل ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ظہور ایسے زمانے اور ایسے نازک موقع پر ہوا جبکہ ہندوستان اپنی ظلمت کے انتہائی درجے طے کر چکا تھا، ضلالت و گمراہی، نقصان و سرکشی، جفا و تشدّد، خود رائی و کراہت کی گھٹاؤں نے اس درجہ ڈھانپ لیا تھا کہ اس کی امیدیں بھی اسی رنجش اور ظلمت میں پوشیدہ ہو گئی تھیں، غضب تو یہ تھا کہ اس گمراہی کے زمانہ میں حاکم مدعی اسلام تھا، جو اکبر کے نام سے مشہور تھا، مگر حالت ایسی تھی کہ ماتھے پر ٹِکّا اور گلے میں زُنّار پہنے ہوئے ہندوؤں اور وزراء کے ساتھ بتوں کے آگے عاجزی کی پیشانی جھکائے بیٹھے کرتا تھا۔ شرک کی تعلیم علی الاعلان دی جاتی تھی۔ دربار میں داخل ہونے کے لیے سجدہ کیا جاتا تھا۔ مساجد کو منہدم کر دیا گیا تھا۔ شریعت کے خلاف قانون جاری کر دیے گئے تھے، ایک مسلمان کے لیے دین کا کلمہ پڑھنا محال ہو گیا تھا، غرض بشری طاقتیں شاہی مقابلہ سے عاجز تھیں، جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی اسلام کا درد تھا، جس کے جگر میں تھوڑا سا بھی ایمان تھا، وہ ہر وقت بارگاہِ الہی میں یہی دعا مانگتا تھا کہ

پردہ غفلت کا اِن آنکھوں سے اُٹھا دے یا رب!
اپنے بندوں کو راہِ راست دکھا دے یا رب!
رات ہے تاریک سمندر میں بپا ہے طوفان
ڈوبتی کشتی کو ساحل سے لگا دے یا رب!

اس وقت کسی ایسے داعی حق کی ضرورت تھی جو تاریکوں کو نور سے اور موت کو زندگی سے مبدّل کرتا، چنانچہ اس خالقِ اکبر نے اس خدمت کو سر انجام دینے کے لیے حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کو پیدا کیا اور حقیقت میں آپ رحمہ اللہ نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کام کر دکھائے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بچہ بچہ آپ کا احسان مند اور شکر گزار ہے، آپ نے آتے ہی مسلمانوں کو اس اللہ رب العزت کی چوکھٹ کے سوا تمام چوکھٹوں سے بے نیاز اور واحد القہّار کے سوا ہر ہستی سے بے خوف کر دیا اور لا الٰہ الّا اللہ کی ہیبت اور عظمت سے ان کے دلوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔

حالات شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ

نام و نسب:

آپ کا نام احمد، کنیت ابو البرکات، لقب بدر الدین ہے اور آپ کی شہرت امام ربّانی مجدد الف ثانی کے لقب سے ہے، آپ کا مسلک حنفی، طریقہ آپ کا مجدّدیہ ہے۔ (سیرت امام ربّانی:22، ایچ، ایم، سعید)

خاندان:

حضرت مجدّد صاحب نسباً فاروقی ہیں، آپ کا سلسلہ نسب (31) واسطوں سے امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

سلسلہ نسب:

حضرت شیخ احمد مجدّد الف ثانی بن مخدوم عبد الاحد بن زین العابدین بن عبد الحی بن محمد بن حبیب اللہ بن امام رفیع الدین بن نصیر الدین بن سلیمان بن یوسف بن اسحاق بن عبد اللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی فرخ شاہ بن نور الدین بن نصیر الدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبد اللہ الواعظ الاصغر بن عبد اللہ بن الواعظ الاکبر بن ابو الفتح بن اسحاق بن ابراہیم بن ناصر بن عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

آپ والد ماجد کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوئے اور افغانوں اور مغلوں کے جھگڑے ختم کرنے میں بہت کوشش فرمائی، دنیاوی دبدبہ و بزرگی کے ساتھ باطن سے بھی کمال کے آدمی تھے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت:103/4، مکتبۃ الحسن)

تعارف:

اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ، عارف باللہ، صداقت اور اسرار و معارف کے سمندر، سنت نبویہ کو زندہ کرنے والے، روشن، چمکدار شریعت کو تازگی بخشنے والے، طریقت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والے، حقیقت کے معالم کو نیا کرنے والے، عارفین و محققین کی برہان، اولیاء متّقین کی حجّت، علاقوں اور زمانوں کے لیے باعثِ فخر، اپنے اہم کاموں کی طرف متوجہ ہونے والوں کے لیے قابل اعتماد، اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی، زمانہ کے نایاب چیزوں میں سے ایک نایاب و کمال والے شخص تھے، جب بھی کسی کا قدم ڈگمگاتا، تو آپ ہی نے اپنے علم کے ہاتھ سے اسے پکڑا، سنبھالا، حوصلہ افزائی کی اور اس کی ہمت بڑھائی، قریب تھا کہ وہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیتا، یہاں تک کہ دوسرے ہزار (الف ثانی) کے لیے مجدّد بن کر آئے اور نوع انسانی کی شرافت کے لیے بڑے اونچے درجہ کی دلیل و حجّت بن گئے۔

(گیارہویں صدی کے علمائے برصغیر:5/88، دارالاشاعت)

آپ کے سلسلہ نسب میں شیخ ناصر اور شیخ ابراہیم تابعین اور شیخ اسحاق بن ابراہیم اور ابو الفتح تبع تابعین میں سے ہیں، شیخ اسحاق طبقہ مجتہدین میں اعلیٰ پایہ اور مرتبہ رکھتے تھے۔ (سیرت امام ربانی: 22/، ایچ، ایم سعید)

آپ کی پیدائش کے متعلق اولیاء سابقین کی بشارتیں، حضرت غوث اعظمؒ کا کشف اور آپ کی وصیت:

ایک روز حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدّس سرّہ العزیز کسی جنگل میں بیٹھے مراقبہ فرمارہے تھے، کہ یکایک آسمان سے ایک نور ظاہر ہوا، جس سے تمام عالَم منوّر ہو گیا، آپ کو اس وقت القاہوا کہ آپ کے پانچ سو سال بعد جبکہ عالَم میں ضلالت و گمراہی اور شرک و بدعت کا دَور دورہ ہو گا، اس وقت ایک بزرگ شخصیت، وحیدِامت پیدا ہو گا، وہ دنیا سے الحاد و کفر اور شرک و بدعت اور گمراہی کا نام و نشان مِٹا دے گا، دینِ محمدی ﷺ کی تجدید کر کے اس کو نئے سِرے سے تازگی بخشے گا، اس کی صحبت نہایت مفید ہو گی، اس کی اولاد اور خلفاء بار گاہِ الٰہی کے صدر نشیں ہوں گے۔

اس القاء کے بعد محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے اپنے خاص کپڑے کو اپنے کمالات سے بھر کے بطورِ امانت اپنے صاحبزادہ سید تاج الدین عبد الرزاقؒ کے حوالہ کیا اور وصیت فرمائی، کہ جب اُس بزرگ کا ظہور ہو تو یہ میری طرف سے اُن کو دے دینا، چنانچہ اس وقت سے صاحبزادہ علیہ الرحمۃ کی اولاد میں وہ کپڑا یکے بعد دیگرے بطورِ امانت چلا آتا رہا، آخر شاہ کمالؒ کے بیٹے شاہ سکندرؒ نے تجدید کے دوسرے سال وہ کپڑا حضرت مجد دالف ثانیؒ کی خدمت میں پہنچایا۔ (سیرت امام ربانی:45، ایچ، ایم، سعید)

حضرت شیخ احمدؒ کا ارشاد:

مقاماتِ شیخ الاسلام احمد میں مذکور ہے کہ شیخ احمد قدّس سرّہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد (17) آدمی میرے ہمنام پیدا ہوں گے، اُن میں سب سے آخری شخص آنحضرت محمد ﷺ کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہو گا، جو سب سے افضل ہو گا۔

شیخ کے فرزند شیخ ظہور الدین قدّس سرّہ العزیز نے اپنی کتاب رموز العاشقین میں لکھا ہے کہ آخر عمر تک میرے باپ کے ہاتھ پر چھ لاکھ آدمیوں نے توبہ کی تھی میں نے اُن سے عرض کیا کہ بہت سے مشائخ کبار کے حالات کتابوں میں مذکور ہیں مگر آپ کے حالات سب سے اعلیٰ نظر آتے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ مجھ سے چار سو سال بعد ایک اللہ کا برگزیدہ بندہ پیدا ہو گا جس کے حالات مجھ سے کہیں اعلیٰ و افضل ہوں گے۔ (سیرت امام ربانی:46، ایچ، ایم، سعید)

تذکرہ ولادت:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے والد محترم حضرت مخدوم عبد الاحدؒ کی طبیعت ہمیشہ لطف و مزہ کی طرف مائل تھی، خواجہ ہاشم کشمیؒ اپنی کتاب (زبدۃ المقامات برکات احمدیہ) میں لکھتے ہیں، کہ ایک دفعہ حضرت مخدومؒ کا گزر قصبہ سکندرہ سے ہوا، جو دہلی سے (21) میل کے فاصلہ پر ہے، وہاں کے علماء سے آپ نے کتبِ احادیث کا مطالعہ کیا۔ جب لوگوں نے آپ میں صلاحیت کے انوار دیکھے، تو بہت فریفتہ ہو گئے اور نہایت تعظیم و تکریم کرنے لگے، اسی اثناء میں وہاں کی ایک پاکدامن صحیح النسب سیدہ نے خواب دیکھا کہ حضرت مخدوم کے سینہ سے ایک نور نکلا، جس میں ایک تخت ظاہر ہوا ہے، اُس پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے، لوگ اُس کے چاروں طرف کھڑے ہیں، ایک شخص اُن میں سے کہہ رہا ہے کہ "یہ مخدوم عبد الاحد کا فرزند ہے"۔

جب صبح ہوئی تو اس سیدہ نے یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا، اُس نے حسرت سے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا، افسوس! میرے ہاں کوئی بیٹی نہیں، ورنہ یہ دائمی سعادت میں ہی حاصل کرتا، اس سیدہ نے کہا کہ میری ایک نہایت ہی صالحہ بہن ہے، اس کی شادی اُس مرد سے کر دینی چاہیے،

اُس کے خاوند نے حضرت مخدوم ؒ سے اس بات کا تذکرہ کیا پہلے تو حضرت مخدومؒ نے انکار کر دیا، لیکن جب انہوں نے بہت منت سماجت کی، تو آپ نے قبول کرلیا اور نکاح کر کے اُسے سرہند لے آئے، اس پاکدامن صالحہ کے بطن سے حضرت مجدد الف ثانیؒ پیدا ہوئے۔

(سیرت امام ربانی:54 ایچ، ایم، سعید)

ظہورِ قدسی:

آخر کار مدتِ حمل، نوماہ سے چار دن اوپر گزرنے کے بعد وہ گھڑی بھی آپہنچی، جس کے انتظار میں سینکڑوں خدا کے بندے امیدوار و بے قرار بیٹھے تھے، یہ شب وہی شبِ جان نواز، وہی مبارک گھڑیاں، وہی خوبصورت پیش گوئیوں کا دور تھا، جبکہ عالَم کی سینہ زوری کا قہر و غضب مِٹ گیا، ظالم حکومت کی بنیادیں ہل گئیں، بندگی اور غلامی کی زنجیریں کٹ کٹ کر ٹکڑے ہوگئیں، ذات و فکر کی مضبوطی، خیال کی آزادی، برتری اور نفس کی عزت، حقوق کی برابری اور ابطالِ شہنشاہی کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی۔

ظلمت گئی جہاں سے جب دورِ نور آیا
باطل پرستیوں میں ہر سُو فتور آیا

(سیرت امام ربانی:55، ایچ، ایم، سعید)

ولادت:

شب جمعہ (14) شوال (971)ھ (1563ء) کو شہر سرہند میں آپ کی ولادت ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، صغر سنّی ہی میں آپ میں ہدایت و سعادت کے آثار نمایاں تھے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت:4/111، مکتبۃ الحسن)

اثنائے ولادت کے واقعات:

(1) آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ میرے فرزند شیخ احمدؒ کی ولادت کے بعد مجھے غشی آگئی، تو کیا دیکھتی ہوں کہ بہت سے اولیائے امت ہمارے گھر آئے ہیں اور مجھے مبارکباد دے رہے ہیں۔

(2) آپ کے والد ماجد مخدوم عبد الاحدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے سعادت مند فرزند کی ولادت کے دن حالتِ کشف میں دیکھا کہ رسولِ خدا ﷺ تشریف فرما ہوئے ہیں اور میرے بیٹے کے کانوں میں اذان اور اقامت کہہ رہے ہیں۔

(3) شیخ ابو الحسن چشتی قدّس سرّہ العزیز بھی آپ کی ولادت کے وقت سرہند میں موجود تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ولادت کی رات میں نے خواب دیکھا کہ اس شہر میں بہت سے اولیاء اللہ جمع ہیں اور ایک شخص ممبر پر چڑھ کر کہہ رہا ہے کہ لوگو! تمہیں مبارک ہو، آج تم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ہے، جس کے سبب دینِ اسلام نئے سرے سے تازہ ہوگا۔ (سیرت امام ربّانی:57، ایچ، ایم، سعید)

زمانۂ طفولیت:

حضرت مجدد الف ثانیؒ سنت رسولِ خدا ﷺ کے مطابق مختون پیدا ہوئے، آپ عام بچوں کی طرح آہ و زاری نہ فرماتے تھے، ہر وقت خندہ پیشانی سے رہتے کبھی تھوڑے وقت میں بھی برہنہ نہ ہوتے، آپ کا بدن یا کپڑا نجس نہ ہوتا، آپ اس قدر دلعزیز تھے کہ جو کوئی آپ کو ایک دفعہ دیکھ لیتا، وہ بے اختیار محبت کرنے لگ جاتا۔

ایک دفعہ دودھ پینے کے زمانہ میں آپ بیمار ہوگئے، آپ کے والد ماجد مخدوم عبد الاحدؒ حضرت سید شاہ کمال کیتھلیؒ کو آپ کے اوپر دم کرانے کی غرض سے بلا کر لائے، انہوں نے آپ کو توجہ کے ساتھ دیکھا اور جوش میں آکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے، یہ عالم باعمل اور عارف کامل ہوگا، آپ اور مجھ جیسے بہت سے بزرگ اِس سے فائدہ اٹھائیں گے، اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنی زبان آپ کے منہ میں رکھی، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شاہ صاحب کی زبان کو دیر تک منہ میں دبائے رکھا، جب چھوڑی تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس نے تمام قادریہ نعمتیں ہم سے لے لی۔

"حضرت شاہ کمالؒ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدّس سرّہ العزیز کے کپڑے کو جو بطورِ امانت ان کے پاس موجود تھا، اپنے پوتے سکندر کو دیا اور وصیّت کی کہ عنقریب اس کپڑے کا مالک ظاہر ہوگا اور یہ کپڑا اس کے حوالے کر دینا، یہ وصیت کر کے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی طرف اشارہ کیا، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی عمر ابھی (7) سال کی تھی کہ شاہ کمالؒ اِس دارِ فانی سے رِحلت فرما کر دارِ ابدی کی طرف کوچ کر گئے"۔

(سیرت امام ربّانی:58، ایچ، ایم، سعید)

سرہند کے حالات:

(وجہ تسمیہ) اصل لفظ ہندی میں سہرند ہے، جس کے معنیٰ بیشۂ شیر کے ہیں جس مقام پر آج کل شہر سرہند واقع ہے، چونکہ یہاں قدیم زمانہ میں ایک وحشتناک جنگل تھا، جس میں شیر اور درندے رہا کرتے تھے، اس لیے اِس کا نام سہرند یعنی بیشۂ شیر ہو گیا، یہ لفظ سہ اور رند سے مرکب ہے، سہ ہندی میں شیر کو کہتے ہیں اور رند جنگل کو، کثرتِ استعمال سے سرہند ہو گیا، مگر سِکھ عام طور پر سہرند ہی کہتے ہیں۔

سرہند کی بنیاد:

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سلطان فیروز شاہ خلجی کے زمانۂ حکومت میں شاہی خزانہ لاہور سے دہلی جارہا تھا، جب شاہی عمّال خزانہ لے کر اس جنگل سے گزرے، تو ان میں سے ایک شخص جو عارف اور صاحبِ حال تھا، اس نے اپنے کشف سے معلوم کیا کہ اس جنگل میں آنحضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرت کے ہزار سال بعد ایک ولی پیدا ہوگا جو امامِ وقت اور مجددِ اسلام ہوگا، چونکہ باقی سب عمّال اس صاحبِ حال کے معتقد تھے، لہٰذا اِس نے اُن سے اپنے کشف کا حال بیان کیا اور کہا، کہ اگر یہاں شہر بنایا جائے تو بہت اچھا ہوگا، اس کے ہمراہیوں کو بھی وہاں کی آب وہوا کا اعتدال، ندیوں کی کثرت، زمین کی تروتازگی، قدرتی نظاروں کی دلچسپی وغیرہ امور پسند آئے، اس لیے سب نے اس کی صدا کو لبّیک کہا اور حاکمِ وقت کو اس بات کا مشورہ دینے کے آمادگی ظاہری کی۔

اس کے علاوہ اس وحشتناک جنگل کے اردگرد کوئی شہر، کوئی قصبہ اور کوئی بستی نہ تھی، صرف ایک شہر تھا وہ بھی سرہند سے (24) میل کے فاصلہ پر تھا، لوگ اپنا خزانہ دفن کرنے کے لیے وہاں جایا کرتے تھے، یہ سبب بھی اس جگہ ایک شہر کے بننے کا مقتضٰی تھا، الغرض شاہی عمال جو خزانہ پہنچانے جارہے تھے، سب کے سب وقت کے باشاہ سلطان فیروز کے مرشد سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضر ہوئے، اُس مردِ صالح کے عنقریب ظہور کا اظہار کیا، وجوہات پیش کیں اور اس جگہ ایک شہر تعمیر کروانے کیلئے پُرزور الفاظ میں درخواست کی، مخدوم جہانیاں نے ان لوگوں کی التماس کو قبول کیا اور اس کارِ خیر کو سرانجام دینے کیلئے اپنے وطن سے سلطان کے پاس دہلی گئے، سلطان استقبال کر کے بڑی شان وشوکت اور بڑے ادب واحترام سے آپ کو شہر میں لایا، پہلی ہی مجلس میں آپ نے بادشاہ سے اس مطلب کا اظہار کیا، بادشاہ نے منظور کر کے اُسی وقت حکم دیا، کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے، امام رفیع الدین کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ کا وزیر

تھا، اس کام کے سر انجام دینے کے لیے مقرر ہوا، وہ فوراً 21 ہزار آدمی ساتھ لے کر اُس جنگل میں تشریف لے گئے اور ایک بلند مقام پسند کر کے سب سے پہلے قلعہ کی بنیاد رکھی اور تعمیر میں مصروف ہوگئے، مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ جس قدر تعمیر کا حصہ دن کو تیار ہوتا، رات کو سب گر جاتا، مگر سبب دریافت نہ ہوا، آخر بادشاہ کو اس کی اطلاع دی گئی، بادشاہ نے اپنے مرشد مخدوم صاحب سے عرض کیا مخدوم صاحبؒ نے اپنے نماز کے امام اور بڑے خلیفہ کو جو وزیر بادشاہ خواجہ فتح اللہ کے چھوٹے بھائی تھے،، اس کام کے لیے مامور فرمایا۔

جب امام رفیع الدین اس مقام پر پہنچے، تو روحانی زور اور نورِ باطنی سے اس کی حقیقتِ حال اور اس کا سبب دریافت کیا، معلوم ہوا کہ شاہ شرف بو علی قلندرؒ کو زبردستی مزدوروں میں شامل کرتے ہیں، وہ رات کو اپنے باطنی اثر سے دن کی تیار شدہ عمارت کو گرا دیتے ہیں، امام رفیع الدین نے اُن سے بہت معذرت کی، قلندر صاحب نے فرمایا کہ میں آپ کے بلوانے ہی کیلئے ایسا کرتا تھا، کیونکہ آپ کی نسل سے خدا کا ایک برگزیدہ بندہ پیدا ہونیوالا ہے، جو اپنے وقت میں سرزمین ہندوستان سے کفر و شرک کی ظلمت کو دور کریگا۔

الغرض دونوں صاحبوں نے ملکر (سن 760)ھ میں قلعہ کی بنیاد رکھی، جو کچھ مدت بعد تیار ہوگیا، اس کے بعد شہر کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا، جو ایک قلیل ہی عرصہ میں اختتام کو پہنچ گیا۔

دیا اس سر زمین کو حق نے کیسا رُتبہ والا
کہ ہر ذرّہ بنا آئینہ اسرار عرفانی

تعمیر کا کام مکمل ہونے کے بعد شہر کی آبادی بڑھنی شروع ہوگئی، حتی کہ یہ ایک نہایت پُررونق مقام بن گیا، بالخصوص دہلی سے لاہور اور کابل جانیوالے مسافروں کے قیام کرنے کی وجہ سے اس کی رونق دوبالا رہتی تھی، شاہ جہان بادشاہ کے زمانہ تک اس کی آبادی ترقی پر رہی، وہ حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ کا مرید اور نہایت معتقد تھا، اُس نے اپنے زمانۂ حکومت میں ایک عالی شان محل اور باغ تعمیر کرایا تھا، جب سلطان اورنگ زیب عالمگیر تسخیر ممالک دکّن میں مصروف ہوگیا، تو سکھوں نے لُوٹ مار کر کے اس شہر کو اُجاڑ دیا، اس کے رہنے والوں کو ویران کر دیا، اب کچھ کچھ آبادی باقی ہے۔ ہر سال (26) صفر سے (28) صفر تک حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا عُرس ہوتا ہے، ہزارہا برگزیدہ لوگ جمع ہو کر فیض حاصل کرتے ہیں، عُرس سے ایک ماہ پہلے کئی سو حافظ کلام اللہ شریف پڑھنا شروع کرتے ہیں اور لگاتار عُرس کے آخری دن تک پڑھتے رہتے ہیں، غالباً کئی ہزار قرآن شریف ختم کرتے ہیں، یہ شہر دہلی اور لاہور کے درمیان واقع ہے۔

(سیرت امام ربّانی:28، ایچ، ایم، سعید)

اہم واقعات و سفر:

اس فیض کو حاصل کرنے اور مکمل کرنے کے بعد حضرت مجددؒ نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی، ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا بہ شدت احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھیں اور طبیعت بلندی کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ مشکل تھی، جس کیلئے نزول شرط ہے جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حالت میں اپنی کوتاہی کا علم روشن ہوگیا، جو طالب علم میرے پاس جمع تھے سب کو جمع کر کے ان سے اپنی کوتاہی بیان کی اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے، کچھ مدت کے بعد حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے احوال منتظرہ عطا فرما دیئے۔

آخر وہ وقت آ گیا کہ آپ کا فیض عام ہوا اور طالبین کی تکمیل اور ارشاد کا کام شروع ہوا، مجدد صاحبؒ اپنے احوال مسترشدین اور برادران طریقت کی ترقیات باطنی کی تفصیل شیخ کو لکھتے رہے، ایسی بشارتیں اور کیفیات بھی ظاہر ہوئیں جن سے آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالی نے آپ سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور آپ سے دین کی کوئی عظیم الشان خدمت وجود میں آئے گی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: 4/122، مکتبۃ الحسن)

لاہور کا سفر:

حضرت مجدد نے کچھ عرصہ سرہند مقیم رہ کر شیخ کے اشارہ وارشاد پر لاہور کا سفر اختیار کیا، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی ودینی مرکز تھا اور وہاں بکثرت علماء ومشائخ تھے، ان میں سے ایک جم غفیر نے آپ کے آنے کی خبر سن کر آپ کا پُرجوش استقبال کیا اور بڑی تکریم وتعظیم سے پیش آئے، مولانا طاہر لاہوری (جو بعد میں حضرت مجددؒ کے اعلی خلفاء میں سے ہوئے) مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین تلوی آپ کے حلقۂ عقیدت اور بیعت میں داخل ہوئے، ذکر ومراقبہ کا حلقہ قائم ہوتا اور مجالس بھری رہتیں۔

حضرت مجدد ابھی لاہور ہی میں تھے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کی خبر ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک بے چینی وبے قراری کی حالت میں دہلی کی طرف رخ موڑ دیا، راستہ میں سرہند پڑتا تھا، لیکن گھر نہ گئے پہلے اپنے شیخ ومرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشد زادوں اور برادرانِ طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کے دل کی تسلی کیلئے دہلی میں قیام فرمایا اور تربیت وارشاد کی محفل جو حضرت خواجہ کے رِحلت فرما جانے سے ویران ہو گئی تھی، دوبارہ آباد کی اور غمگین وزخمی دل تروتازہ ہو گیا، کچھ روز قیام فرما کر آپ سرہند تشریف لے آئے، اس کے بعد صرف ایک مرتبہ دہلی اور دو تین مرتبہ (آگرہ) جانے کا اتفاق ہوا، آخر عمر میں تین سال تک شاہی لشکر کے ساتھ بعض شہروں اور مقامات سے آپ کا گزر ہوا، تو وہاں کے شوق اور طلب والے آپ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔

دعوت وتبلیغ اور ارشاد وتربیت:

(1026ھ) میں آپ نے اپنے بہت سے خلفاء کو تبلیغ وہدایت کیلئے مختلف مقامات پر بھیجا، ان میں سے (70) مولانا محمد قاسم کی راہنمائی میں ترکستان کی طرف بھیجے گئے، (40) حضرت مولانا فرخ حسین کی امارت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، (10) ذمہ دار اور تربیت یافتہ حضرت مولانا محمد صادق کابلی کے ماتحت کاشغر کی طرف اور (30) خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں اور خراسان گئے اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بندگانِ خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

بہت سے نامی گرامی علماء ومشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشوار گزار منزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے اور بیعت واستفادہ سے مشرف ہوئے، آپ نے ان میں اکثر حضرات کو خلافت واجازت عطا فرما کر دعوت وارشاد کیلئے اپنے اپنے مقامات پر واپس بھیج دیا۔

بادشاہ وقت جہانگیر کا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ساتھ رویہ:

1014ھ میں جلال الدین اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا اور نورالدین جہانگیر بادشاہت کے تخت پر بیٹھا، اکبر کے دَور میں اسلام اور مسلمانوں پر زندگی کا عرصہ تنگ ہوا، اس عظیم ملک میں فاتح مسلمانوں کے خون اور نیک خادمین لوگوں کے پسینے اور اہل باطن ودل والوں کے آنسو جاری تھے اور اسلام کو جڑ سے اکھیڑنے کا کام جس قوت، منصوبہ بندی کے ساتھ کیا گیا تھا، وہ آپ کے درد مند دل اور غیرت والی اسلامی

طبیعت کو بے قرار اور بے چین کرنے کیلئے کافی تھا، لیکن کچھ اپنے حال کی تکمیل اور باطنی تیاریوں میں مشغولیت تھی اور کچھ اس لیے کہ وہ فتنہ اپنے جوش پر تھا، ابھی وہ سر اٹھا تھ میں نہیں آیا تھا کہ جس کے ذریعے آپ کو بادشاہت اور اس کے رجحان اور اسلام کے بارے میں اس کی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں، آپ نے اپنا تجدیدی و اصلاحی کام پوری قوت کے ساتھ شروع نہیں فرمایا اور اگر فرمایا تو تاریخوں میں زیادہ تفصیل نہیں ملتی، اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ نے خانِ خاناں سید صدر جہاں اور مرتضی خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو عبرت دلانے والے پیغامات بھیجے، ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب اور اعتماد حاصل تھا اور حضرت مجدد رحمہ اللہ کی عظمت و عقیدت بھی ان کے دل میں بس چکی تھی۔

جہانگیر کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی دشمنی نہ تھی، بلکہ ایک طرح کی سلامت روی اور اچھا اعتقاد تھا اور اس کو کسی نئے دین اور قانون کے جاری کرنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کا عمل اپنے جدامجد کی اس ہدایت پر تھا کہ

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

آپ نے بادشاہ کی اس سادہ سلطنت سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان سے ان اثرات کو ختم کرنے کا ارادہ کیا جو سابقہ سلطنت میں پیدا ہوئے تھے لیکن اس سے پہلے آپ تغیر و تبدل والا کام شروع کریں، گوالیار کی قید خانہ کا واقعہ پیش آگیا جو کئی حیثیتوں سے حضرت مجددؒ کی حیات اور اس عہد کی اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:4/125، مکتبۃ الحسن)

گوالیار کی قید کے اسباب:

تاریخ وسوانح کی عام کتابوں میں قید اور قلعہ گوالیار میں نظر بند کئے جانے کا سبب اسی خاص مکتوب کے (جو حضرت نے اپنے شیخ و مرشد کو لکھا تھا) وہ نازک مضامین، مکاشفات اور خصلت و بھلائی کے سلسلہ کی ان دقیق باتوں ہی کو ٹھہرایا گیا ہے، جن سے آپ کا بہت سے اکابرِ امت سے اعلی اور افضل ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کو اس میں بہت شبہ ہے کہ حضرت مجددؒ کو یہ آزمائش محض اس غلط فہمی میں پیش آئی اور اس کا سبب جہانگیر کی دینی غیرت اور جمہور اہلِ سنت کے عقائد کی محافظت تھی یا صرف دربار کے علماء اس زمانہ کے قابل احترام علمائے مشائخ کے اصرار و تقاضہ سے کیا گیا، جہانگیر کسی زمانے میں بھی اس دینی مزاج کا آدمی نہیں تھا اور اس کی دینی حس کبھی اتنی تیز اور نازک نہیں تھی کہ وہ ایک ایسے مسئلہ میں جو اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اور جس کا امور سلطنت اور سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا، ایک ایسی بلند پایہ دینی شخصیت کے خلاف اتنا بڑا ارادہ کرتا جو ہزاروں آدمیوں کی محبت و عقیدت کا مرکز تھا۔

مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کے نزدیک اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے ارکان سلطنت اور دربار کے امراء سے خصوصی تعلقات ہو گئے تھے اور ان کو حضرت سے گہری عقیدت تھی، جو ایک ایسے ذہین ترین حکمران کیلئے جو اپنے والد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر چکا تھا اور بیٹوں سے زور آزمائی کر کے تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا وسوسہ اندازی کے لیے کافی تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ جہانگیر کو ان مؤثر اور جوش وخروش پیدا کرنے والے خطوط کا بھی علم ہو گیا ہو، جو حضرت مجددؒ نے ان ارکانِ سلطنت کو حال کی اصلاح اور حکومت کو اسلام کی حمایت اور دین کی محافظت کے سلسلہ میں تحریر فرمائے تھے۔

ان امراءِ دربار اور سربراہانِ سلطنت میں خان اعظم مرزا عزیزالدین خان جہاں، خان لودھی، خانِ خاناں مرزا عبدالرحیم اور قلیج خان وغیرہ تھے، مغل سلاطین مشائخ سے عوام کی حد سے بڑھی ہوئی عقیدت، رجوع عام اور ان کے پاس لوگوں کے پروانہ وار جمع ہو جانے سے ہمیشہ

ڈرتے رہے، حضرت مجدد صاحبؒ کے بڑے خلیفہ حضرت سید آدم بنوری کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، وہ جب 1052ھ لاہور میں تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ سفر میں 10 ہزار سرداران ومشائخ اور مختلف طبقوں کے عقیدت مند تھے، اس وقت شاہ جہان لاہور ہی میں تھا، اس کو اس سے خطرہ محسوس ہوا اور اس نے ایسے اسباب کھڑے کیے کہ آپ نے ہندوستان کو خیرباد کہا اور حرمین شریفین کی طرف ہجرت کی۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ جہانگیر نے گوالیار کی نظر بندی ختم کرنے کے بعد ایک طویل عرصہ تک حضرت مجددؒ کو اپنے لشکر میں سفر وحضر میں ساتھ رکھا تاکہ وہ امراء اور ارکانِ سلطنت کے تعلقات کی نوعیت کا مطالعہ کرسکے اور اس کا اطمینان کرلے کہ آپ سے سلطنت اور اقتدار کیلئے کوئی خطرہ نہیں اور نہ آپ سے کوئی مخالف یا حوصلہ مند، نصیب آزمانے والا فائدہ اٹھا سکے گا، اس کو جب حضرت مجددؒ کے طرزِ عمل سے اس کا اطمینان ہوگیا اور اس نے آپ کے اخلاص، للّٰہیت، بے داغ وبے غرضی اور بلند مقام کا مشاہدہ کیا اور اس کو آنکھ سے خود دیکھ لیا کہ آپؒ دنیا کی شان وشوکت اور عظمت کو کوڑا کرکٹ کے برابر نہیں سمجھتے، تو اس نے آپؒ کو سرہند میں آزادانہ طریقہ پر قیام کی اجازت دی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت:4/129، مکتبۃ الحسن)

قلعۂ گوالیار کی نظر بندی:

بہر حال جہانگیر نے حضرت مجددؒ کو اپنے ٹھکانے پر بلایا اور حاکم سرہند کو تاکید کی کہ جس طرح ہوسکے آپ کو وہاں بھجوادے، آپ اسی وقت 5 مریدوں کو ساتھ لیکر روانہ ہوگئے، بادشاہ نے جب آپ کے آنے کی خبر سنی تو امراء کو آپ کے استقبال کیلئے بھیجا، اپنے محل کے قریب خیمہ تیار کروایا اور ملاقات کیلئے آپ کو دربار میں بلایا، آپؒ دربار میں تشریف لے گئے تو بادشاہی کے آداب جو شریعت کے خلاف تھے آپ نے ادا نہ کیے، ایک بے رحم درباری نے بادشاہ کو متوجہ کیا اور کہا کہ بادشاہ! شیخ نے آدابِ سلطنت کی کوئی رعایت نہیں کی، بادشاہ نے وجہ دریافت کی، آپ نے فرمایا کہ مَیں نے آج تک خدا اور رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بتائے ہوئے آداب واحکام کی پابندی کی ہے، اس کے علاوہ مجھے کوئی آداب نہیں آتے، بادشاہ نے ناراض ہوکر کہا مجھے سجدہ کرو، آپؒ نے فرمایا میں نے سوائے خدا کے نہ کسی کو سجدہ کیا ہے اور نہ کروں گا، بادشاہ اس پر ناراض ہوا اور گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کرنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ سے پہلے بادشاہ نے (جس کو حضرت سے عقیدت وخلوص تھا) علامہ افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو کتب فقہ اور اس پیغام کے ساتھ حضرت مجددؒ کے پاس بھیجا تھا کہ سجدہ آداب بادشاہ کیلئے ہے اگر آپ سجدہ کرلیں تو مَیں اس بات کا ضامن اور ذمہ دار ہوں کہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ صرف رخصت ہے، عزیمت یہی ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔

گرفتاری کا یہ افسوسناک واقعہ (ربیع الثانی 1028)ھ کی کسی تاریخ کو پیش آیا، اس لیے کہ جہانگیر نے اسی مہینہ کے واقعات میں اس کا ذکر کیا ہے قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کرلی گئیں اور متعلقین کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کردیا گیا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت:4/130، مکتبۃ الحسن)

جیل گوالیار میں سنتِ یوسفی:

گوالیار کی یہ نظر بندی اللہ تعالی کی بہت سی حکمتوں اور دینی مصالح پر مبنی تھی اور ترقیات باطنی و مقبولیت کی زیادتی و محبوبیت کا موجب تھی، یہاں اس درویش نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح اپنے رفقائے جیل میں تبلیغ وارشاد کا کام پوری محنت و کوشش سے شروع کر دیا اور پس جیل "یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ "(یوسف:39) ترجمہ:"اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں، یا وہ ایک اللہ جس کا اقتدار سب پر چھایا ہوا ہے۔" کی آواز اس بلند نغمہ سے بلند کی کہ قلعہ کے دَرودیوار گونج اٹھے اور ان کی آواز باہر بھی سنی گئی، کہا جاتا ہے کہ کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت تبلیغ اور محبت و تربیت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے اور سینکڑوں قیدی عقیدت و صحبت سے کامیاب ہو کر بلند درجات تک پہنچے۔

اسی طرح بادشاہ جہانگیر کے زمانہ میں ایک سنی شیخ احمد مجد نامی بھی تھے، جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے، شیعوں کو اس وقت دربار میں قیام اور رسوخ حاصل تھا، ان لوگوں نے کسی بہانے سے انہیں قید کروا دیا 2 سال قید میں رہے اور اس عرصہ میں انہوں نے اپنے رفقائے جیل میں سے سینکڑوں بت پرستوں کو اطاعت و فرمانبرداری والا بنالیا، ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجد تھا جو ناحق قید کر دیئے گئے تھے، ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بُت پرستوں کو مسلمان بنالیا۔

دورانِ قید کی نعمتیں اور لذتیں:

گوالیار کی جیل میں اس چند دن مہمانی سے حضرت مجدد ؒ پر اللہ رب العزت کی طرف سے انعامات کی جو بارشیں ہوئیں اور آپ کو باطنی ترقیات اور اصلی انہدام اور خلوت میں جلوت کی جو نعمت حاصل ہوئی، اس کا حضرت نے اپنے خاص خدام کے نام خطوط میں تحدیث بالنعمت کے طور پر بڑے مزے لے لے کر ذکر کیا ہے، میر محمد نعمان کے نام ایک طویل مکتوب میں جو قلعۂ گوالیار سے بھیجا گیا ہے تحریر فرماتے ہیں کہ

> "اگر محض فضل خداوندی سے فیوض اور واقعہ الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات اور عطیات کا پے در پے ظہور اس محنت کدہ میں مجھ جیسے بے بس کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ مایوسی و ناامیدی کی حد تک پہنچ جاتا اور رشتہ امید بے رونق ہو جاتا، حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھے عینِ مصیبت میں عافیت عطا فرمائی اور ظلم اور جفا میں عزت بخشی، مشقت و تکلیف میں مجھ پر احسان فرمایا اور راحت و مصیبت میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرنے والوں اور اولیائے کرام کے نقشِ قدم پر چلنے والوں اور علماء و صلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا، اس سبحانہ و تعالی کی رحمتیں نازل ہوں، اولاً انبیاء کرام علیہم السلام پر پھر ان کے متبعین پر"

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے بادشاہ کے حکم سے قید ہونے کی شہرت جب عام ہوئی تو اس پر طرح طرح کے تبصرے شروع ہوئے، لوگوں نے اس پر حاشیے چڑھائے، خدام اور محبین کو اس سے تکلیف پہنچی، اس تنقید و ملامتِ خلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے ایک دوسرے مخلص شیخ بدیع الدین کو اسی قید خانہ سے لکھتے ہیں:

> "جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو ابتدائے حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامتِ خلق کے انوار و برکات شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لیے جا رہے ہیں، برسوں حسنِ تربیت سے میری منزلیں طے کرائی گئیں، اب بزرگی کی تربیت سے قطع مسافت کرائی جارہی ہے، لہٰذا آپ مقامِ صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور حسن و بزرگی کو مساوی جانیں"

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے اس قید بے جا کا ہندوستان کے صحیح عقیدے والے امراء اور سربراہوں پر برا اثر پڑا، بعض جگہ فتنہ اور انتشار کے آثار بھی ظاہر ہوئے، عبد الرحیم خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، خان جہاں لودھی وغیرہ بھی جہانگیر کے اس عمل سے ناخوش تھے، اس زمانے کی تاریخ میں اس فتنہ وانتشار کی زیادہ شہادتیں نہیں ملتیں اور اعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا حضرت مجددؒ کی قید سے کتنا تعلق تھا۔

بہرحال بادشاہ کو کسی وجہ سے بھی اپنے اس عمل پر ندامت و پریشانی ہوئی اور آپ کی ملاقات کا شوق ظاہر کر کے تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت مجددؒ پورا ایک سال قلعۂ گوالیار میں رہے اس طرح آپ کی رہائی (جمادی الاخریٰ 1029ھ مئی 1620ء) میں ہوئی ہو گی۔

(تاریخ دعوت وعزیمت: 4/132، مکتبۃ الحسن)

لشکر بادشاہی اور بادشاہ کی رفاقت اور اس کے دینی اثرات وبرکات:

حضرت مجدد رحمہ اللہ بڑی عزت واحترام کے ساتھ قلعہ سے باہر تشریف لائے، تین دن سرہند قیام فرما کر (آگرہ) میں تشریف لے گئے، ولی عہد شہزادہ خرم اور وزیر اعظم نے آپ کا استقبال کیا، مگر بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ چند دن ہمارے لشکر میں رہیں، آپ نے منظور فرمایا، اس رفاقت سے بادشاہ اور لشکر کو بہت فائدہ پہنچا، حضرت مجددؒ نے لشکر کی اس رفاقت اور اس کے فوائد وبرکات کے متعلق اپنے صاحبزادوں کو لکھا ہے کہ لشکر میں اس طرح بے اختیار وبے رغبت رہنا بہت ہی غنیمت جانتا ہوں اور اس عرصہ کی ایک گھڑی کو دوسری جگہوں کی بہت سی گھڑیوں سے بہتر تصور کرتا ہوں، شاہی لشکر کے ساتھ لاہور پہنچے، وہاں سے سرہند تشریف لے گئے، سرہند میں حضرت نے بادشاہ کی مہمان نوازی فرمائی، حضرت کی خواہش سرہند رہنے کی تھی لیکن بادشاہ نے آپ کی جدائی کو برداشت نہ کیا، وہاں سے دہلی روانگی ہوئی۔

جہانگیر پر اثر:

بعض کتابوں میں جہانگیر کی حضرتؒ کے ساتھ گہری عقیدت اور باقاعدہ بیعت وارادت کو دکھایا گیا ہے، لیکن اس کا کوئی مستند تاریخی ثبوت نہیں ملتا، "تورک" میں جہانگیر نے کئی مقامات پر جس انداز میں حضرت کا ذکر کیا ہے اس سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہوتی، وہ بادشاہت کے نشہ میں کتنا ہی مست ہو اور اس کا اندازِ تحریر کیسا شاہانہ ہو وہ اپنے شیخ کا اس انداز میں ذکر نہیں کر سکتا، البتہ جہانگیر نے اس رفاقت سے بہت ہی فائدہ اٹھایا، اس کے انداز نئے دینی رجحان پیدا ہونے، منہدم مساجد کی دوبارہ تعمیر اور مفتوحہ علاقوں میں دینی مدارس کے قیام سے دلچسپی میں اس کو بہت دخل تھا، 1031ھ میں قلعہ کانگڑی کی فتح کے موقع پر اس نے جس طرح اسلامیت کا اظہار کیا اور وہاں شعائر اسلام کا اجرا کرایا اس سے بھی اس تبدیلی اور دینی ترقی کا پتہ چلتا ہے، جس کو حضرت مجدد صاحبؒ کی شرفِ ہم رکابی کا فیض کہا جاسکتا ہے۔

قربِ سفر اور اس کے انتظامات:

خواجہ محمد کشمی لکھتے ہیں کہ 1032ھ تھا اور آپ اجمیر میں تشریف رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ سفر آخرت کے دن قریب ہیں مخدوم زادگان کو جو اس وقت سرہند میں تھے، ایک خط میں لکھا کہ زندگی کے اختتام کے دن قریب ہیں اور بیٹے دور ہیں، ایک دن خلوت میں دونوں فرزندوں (خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم) سے فرمایا کہ

"مجھے اب اس دنیا سے کسی طرح کی دلچسپی اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں، اب اُس عالَم کا خیال غالب ہے اور سفر کے دن قریب معلوم ہوتے ہیں"۔

حضرت مجددؒ کا قیام لشکر سے واپسی پر سرہند میں 8 یا 9 یا 10 ماہ رہا، جب اجمیر سے سرہند واپسی فرمائی تو وہاں پہنچ کر تمام تعلقات ختم کر دیئے اور خلوت اختیار کر لی، سوائے مخدوم زادوں اور دو تین خادموں کے کسی کو قریب آنے کی اجازت نہ تھی، سوائے پنجگانہ اور جمعہ کے باہر تشریف نہیں لاتے تھے اکثر وقت ذکر و استغفار اور ظاہری اور باطنی مشغولی میں گزرتا۔

ذی الحجہ کے درمیان میں آپ کا مرض بڑھ گیا، آہ وزاری کا غلبہ ہوتا اور جب کمزوری کی شدت ہوتی تو "اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی" زبان پر جاری ہوتا، اسی عرصہ میں چند دن صحت کے ساتھ گزرے اور مغموم اور مجروح دلوں کو آراحت ملی، اسی حالت میں فرماتے تھے کہ

"ضعف کی شدت میں وہ حلاوت اور لذت محسوس ہوتی تھی، جس کا اس چند روز صحت میں پتہ نہیں"

اس حالت میں کثرت سے صدقہ اور خیرات فرمائی، 12 محرم کو فرمایا کہ

"مجھے بتایا گیا ہے کہ 45 دن کے اندر تمہیں اس عالَم سے دوسرے عالَم کا سفر کرایا جائے گا اور مجھے قبر کی جگہ بھی دکھائی گئی ہے"۔

ایک دن صاحبزادگان نے دیکھا کہ آپ پر آہ وزاری غالب ہے، انہوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: کہ شوق وصال! صاحبزادوں نے کہا کہ ہمارے حق میں اس قدر (خلاف معمول) بے رخی و بے التفاتی کیوں ہے؟ فرمایا کہ

"اللہ رب العزت کی ذات تم سے زیادہ محبوب ہے"۔

22 صفر کو خدام و رشتہ داروں سے فرمایا کہ آج 40 دن پورے ہو گئے، اس کے بعد اللہ رب العزت کی مہربانیاں اور بے حساب انعامات کا تذکرہ کرتے رہے 23 صفر کو اپنی تمام پوشاکیں اور کپڑے خدّام کو تقسیم کر دیئے، جسم پر کوئی روئی دار کپڑا نہ تھا ٹھنڈی ہوا کا اثر اس قدر ہوا کہ دوبارہ بخار ہو گیا اور جیسا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک بیماری سے تھوڑے افاقے کے بعد دوبارہ ناساز ہوا یہ سنت بھی ادا ہوئی، ایک رات کے تہائی حصہ میں اٹھ کر وضو فرمایا تہجد کھڑے ہو کر پڑھی، فرمایا کہ ہماری آخری تہجد کی نماز ہے اور یہی ہوا کہ اس کے بعد تہجد کی نوبت نہیں آئی۔

وفات سے کچھ دن پہلے غیر موجودگی اور خدا کی یاد میں ڈوب جانے کا غلبہ ہوا، کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ ڈوبنا اور غیر موجودگی آپ کو ضعف کی وجہ سے ہے یا استغراق کی وجہ سے؟ فرمایا استغراق کی وجہ سے، بعض معاملات و حقائق در پیش ہیں، اس حالتِ ضعف اور شدت و بیماری میں سنت کی پابندی، بدعت سے اجتناب اور دوام ذکر و مراقبہ کی وصیت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہیے، فرمایا: کہ میری تجہیز و تکفین میں سنت پر پورا عمل کیا جائے، کوئی سنت ترک نہ کی جائے اہلیہ محترمہ سے فرمایا: کہ چونکہ میری موت تمہاری موت سے پہلے معلوم ہوتی ہے، اس لیے میرے کفن کا سامان اپنے مہر سے کرنا، یہ بھی فرمایا: کہ میری قبر کسی گمنام جگہ پر بنائی جائے مخدوم زادوں نے عرض کیا کہ پہلے تو حضرت کی وصیت تھی کہ ہمارے بھائی جہاں دفن ہیں وہاں دفن کیا جائے اب حضرت یوں فرماتے ہیں، فرمایا کہ اِس وقت مجھ پر یہی شوق غالب ہے، فرمایا اگر ایسا نہ کر سکو تو کہیں باغ میں دفن کر دینا میری قبر کو کچا رکھنا، تاکہ تھوڑے دنوں بعد اس کا نشان باقی نہ رہے، اس پر بھی صاحبزادے سوچ میں پڑ گئے تو مسکرا کر فرمایا کہ جہاں مناسب سمجھو دفن کر دینا۔ الغرض اس وقت آپ کی عمر مبارک 63 سال تھی، تجہیز و تکفین کا سامان سب سنت کے مطابق کیا گیا، حضرتؒ کے بیٹے خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ کی امامت کی اور جسد مبارک کو آخری آرام گاہ میں پہنچایا گیا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت: 4/135، مکتبۃ الحسن)

شیخ مجددؒ کی عادات و معمولات:

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجددؒ کی خدمت میں ان کی آخری حیات میں تین سال سفر و حضر میں ساتھ رہے ہیں، حضرت مجددؒ کے عادات و معمولات کو تفصیل سے لکھا ہے حضرت کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے سب فضلِ خداوندی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جاسکتا ہے تو وہ سید الاوّلین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی ہے، جس پر کام کا انحصار سمجھتا ہوں اللہ رب العزت نے جو کچھ بھی عطا فرمایا ہے اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے، تھوڑا یا زیادہ جو کچھ بھی ملا ہے وہ صرف اس ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی۔

ایک مرتبہ صالح ختلانی سے فرمایا: کہ ہماری تھیلی سے لونگیں لے آؤ! وہ گئے اور 6 لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ "اَللّٰہُ وِتْرٌ وَيُحِبُّ الْوِتْرَ" رعایت وتر مستحب ہے، مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا و آخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دیدیا جائے جو اللہ رب العزت کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم خاص نے جس سے وضو اور مصلّی اور عبادات کے سلسلہ کی خدمات سپرد تھیں کہا کہ صرف قیلولہ کے وقت اور رات کے دوسرے پہر میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام اور رفقاء کو بھی بکثرت دوامِ ذکر، مراقبہ کی تاکید فرماتے رہتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دارالعمل ہے اورآخرت کی کھیتی ہے حضور باطن کو آداب واعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہیے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علوِ مرتبہ کے) پاؤں مبارک پر کثرتِ عبادت سے ورم آجاتا تھا۔

گرمی ہو سردی ہو حضرت کا سفر و حضر میں معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصفِ اخیر میں اور کبھی رات کے تہائی حصہ کے آخر میں بستر سے اٹھ جاتے، بڑے اہتمام کے ساتھ وضو فرماتے کہ پانی اعضاء کو پہنچ جائے اور وضو خود فرماتے کسی دوسرے کی مدد نہ لیتے، وضو کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف ہوتا البتہ پاؤں دھوتے وقت منہ شمال یا جنوب کی طرف کر لیتے، مسواک کی بڑی پابندی کرتے اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں وہ پڑھتے، پھر دلجمعی کے ساتھ نوافل میں مشغول ہوجاتے لمبی قرأت کرتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہوجاتے، پھر نوافل کے فارغ ہنے کے بعد تھوڑی سی نیند کر لیتے اور صبح صادق سے پہلے اٹھ جاتے، پھر تازہ وضو فرماتے اور فجر کی سنت اپنے دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے، سنت اور فرضو ں کے درمیان آہستہ آواز سے "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" پڑھتے رہتے، فجر کی نماز اندھیرے اور روشنی میں ادا کرتے تاکہ دونوں مذہبوں پر عمل ہوجائے خود امامت کرواتے اور نماز فجر میں طوال مفصّل قرأت کرتے تھے فجر کی نماز کے بعد سے اشراق تک حلقہ لگاتے۔

پھر اشراق پڑھ کر اور تسبیحات و دعاؤں سے فارغ ہو کر دولت خانہ میں تشریف لے جاتے اور گھر والوں اور متعلقین کی خیر خبر لیتے اور جو کام روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ان کے متعلق ہدایات فرماتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے اور پوری توجہ اور دھیان کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے، تلاوت کے بعد طالبین کو بلا کر ان کے حالات کی تحقیق اور ہدایات فرماتے، آپ رحمہ اللہ غیبت اور مسلمانوں کی عیب چینی سے بہت بچتے تھے خدام بھی آپ کے احترام اور ہیبت سے آپؒ کے سامنے کسی کی غیبت اور عیب چینی نہیں کر سکتے تھے، نماز چاشت کے بعد گھر تشریف لے جاتے اور گھر والوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، صاحبزادوں یا تعلق والوں میں سے اگر کوئی چیز تیار کرتا تو وہ پیش کرتا، بیٹوں اور خدام میں سے اگر اس وقت کوئی موجود نہ ہوتا تو اس کا حصہ الگ رکھوا دیتے، کھانے میں اکثر کھلانے میں مشغول رہتے اور زیادہ تر وقت

دوسروں کی خبر گیری اور طرفداری میں گزرتا، بعض اوقات برائے نام کے کھانا تناول فرماتے، معلوم ہوتا تھا جیسے کھانے کی ضرورت نہیں صرف سنت کی پیروی مقصود ہے آخری زندگی میں جب گوشۂ نشینی اختیار کی، تو کھانا بھی خلوت خانہ میں تناول فرماتے۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے مؤذن ظہر کے اول وقت میں اذان دیتا، آپ وضو کر کے سنتیں ادا فرماتے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر کسی حافظ سے ایک پارہ یا اِس سے کم سنتے، نمازِ عصر دو مثل ہو جانے کے بعد اول وقت میں ادا فرماتے، عصر کے بعد غروب تک اصحاب اور خدام کے ساتھ سکوت و مراقبہ میں مشغول اور خدام کی باطنی کیفیات کی طرف متوجہ رہتے، نمازِ مغرب کی سنت کے بعد اوابین ادا کرتے کبھی چار رکعت کبھی چھ رکعت، نمازِ عشاء شفقِ ابیض کے ختم ہونے کے بعد فوراً پڑھ لیتے، نمازِ وتر کے بعد کبھی دو رکعت کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر ادا کرتے، آخر زمانہ تک یہ دو رکعتیں پڑھیں۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے نمازِ عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام فرمانے کیلئے لیٹ جاتے اور دعائیں پڑھنے میں مشغول ہو جاتے اور درود شریف کثرت سے پڑھتے، خاص طور پر جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن، پیر والی رات اور پیر کے دن، تلاوت کے وقت چہرۂ مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا لگتا کہ قرآنی آیات وبرکات کا بہت زیادہ فائدہ پہنچ رہا ہے، نماز میں تمام سنن و مستحبات اور آداب کی پوری رعایت فرماتے، تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے، تراویح کے علاوہ کوئی نفل نماز جماعت سے ادا نہ کرتے، لوگوں کو 10 محرم کی رات یا شبِ قدر میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنے سے منع کرتے، مریضوں کی عیادت کرتے اور اس موقع پر جو دعائیں آئی ہیں ان کا اہتمام کرتے، قبروں کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے۔

بعض اعلی دینی کتابوں (مثلاً: تفسیر بیضاوی، صحیح بخاری، مشکوۃ المصابیح، فقہ، اصول وکلام میں ہدایہ، بزدوی، مواقف اور تصوف میں عوارف المعوارف) کا درس دیتے، لیکن اس میں بحث ومباحثہ اور قیل و قال نہ ہوتا آخر عمر میں درس سے کم مشغولی رہ گئی تھی، طلباء کو علوم دینی کے حاصل کرنے کی تاکید فرماتے اور تحصیل علم کو سلوک وطریقہ پر مقدم رکھتے، کثرت سے حمد واستغفار کرتے اورر تھوڑی سی نعمت پر بہت زیادہ شکر کرتے ،رمضان المبارک میں تین قرآن پاک ختم کرتے ،خود حافظ قرآن تھے اس لیے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے، اخلاق وتواضع اور مخلوق پر شفقت خداتعالی کی رضا پر ہمیشہ راضی رہنے والے تھے، آپ کے رشتہ داروں اور تعلق والوں کو ظالم حاکموں کی طرف سے بڑی تکلیف پہنچی، لیکن آداب وخوشنودی سے کام لیا اور کبھی اس کی شکایت زبان پر نہیں اگر کوئی شخص آپ سے ملاقات کیلئے آتا، تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور مجلس کے اعلی مقام پر اس کو جگہ دیتے اور اسی کے ذوق وشوق کی باتیں کرتے، غیر مسلمانوں کی تعظیم نہیں کرتے تھے خواہ وہ حاکم ہو یا بڑے مرتبے والا ہو، سلام میں ہمیشہ پہل کرتے تھے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے سلام میں آپ سے پہل کی ہو، حق والوں کی حد درجہ رعایت فرماتے کسی کے انتقال کی خبر آتی تو رنجیدہ ہوتے اور کلمۂ ترجیع "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتے اور نماز جنازہ میں شرکت فرماتے اور دعا وایصالِ ثواب کرتے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:4/139، مکتبۃ الحسن)

تحصیل علم:

تعلیم کی ابتداء قرآن مجید سے کی، حفظِ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد علم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے اکثر کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں، تصوف کی کتابیں بھی مثلا: تعرف اور عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ اپنے

والد ماجد سے پڑھیں ان اطراف میں مولانا کمال کشمیریؒ معقولات کے پڑھانے میں مشہور تھے ان سے معقولات کی کچھ کتابیں پڑھیں، کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیریؒ سے حاصل کی۔

اور اسی زمانہ میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانیؒ تھے ان سے درج ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی:

امام واحدی کی تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول اور قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثلاً: منہاج الرصول، الغایۃ القصوی وغیرہ اور امام بخاری کی صحیح البخاری اور دوسری تالیفات مثلا: ثلاثیات وادب المفرد، افعال العباد اور مشکوۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع الصغیر للسیوطی اور قصیدہ بردہ، غرض ہر علم و فن اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند حاصل لی۔

(تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی:218، دار الاشاعت)

شیوخ واساتذہ:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے 5 مرشدوں سے فیض حاصل پایا اور خلافت حاصل کی۔

(1) شیخ یعقوب کشمیریؒ سے آپ نے علوم ظاہری حاصل کرنے کے علاوہ طریقۂ کبریہ سُہر وردیہ میں بھی خلافت پائی۔

(2) حاجی عبد الرحمٰن بدخشیؒ کابلی سے آپ نے مصافحہ کیا انہوں نے حافظ سلطان ادھمی سے انہوں نے شیخ محمود سے انہوں نے شیخ سعید سے اور انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

(3) شاہ سکندرؒ سے آپ نے حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کا خاص کپڑا حاصل کیا اور طریقۂ قادریہ میں خلافت پائی۔

(4) آپ نے اپنے والد ماجد حضرت مخدوم عبد الاحدؒ سے 15 طریقوں میں خلافت پائی۔

(5) حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے آپ نے طریقۂ نقشبندیہ میں خلافت پائی۔ (سیرت امام ربانی:186، ایچ، ایم، سعید)

مشہور خلفاء:

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء تو بہت ہیں لیکن یہاں جو زیادہ مشہور ہیں ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔

خلفاء کی تعداد: آپ کے تمام خلفاء 5 ہزار تھے۔

مریدین کی تعداد: سوائے خلفاء اور صاحبزادوں کے مریدین کی تعداد 9 لاکھ تھی۔

(1) شیخ طاہر لاہوری رحمہ اللہ:

آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں آپ بڑی محنت اور مجاہدہ والے تھے آپ شریعت کے مطابق کام کرنے والے اور سنت کی اتباع کرنے والے، فقر و قناعت اختیار کرنے والے اور انکساری وعاجزی میں بے مثل تھے، ظاہری علم انتہائی درجہ تک حاصل تھا قرآن مجید خوب یاد تھا، قرآن پاک تجوید اور قرآت سے پڑھا کرتے تھے جب آپ کو اصطلاح تصوف کا شوق پیدا ہوا تو حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو نقشبندیہ، قادریہ اور چشتیہ سلسلوں کی اجازت عنایت فرما کر لاہور روانہ کر دیا وہاں آپ دینی علوم میں مشغول رہے، اکثر دفعہ آپ درویشوں والے کپڑوں کے ساتھ لاہور سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زیارت کیلئے سرہند آیا کرتے تھے لاہور میں کثرت سے لوگ آپ کے حلقہ میں آتے تھے صبح اور شام آپ کی مجلس گرم رہتی تھی۔

(2) شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ:

آپ بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں سے ہیں ابتدائے زمانہ میں آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں تلویح اور توضیح، پڑھا کرتے تھے، بلکہ نماز کے پابند بھی نہ تھے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا روحانی اثر:

حضرت مجدد الف ثانیؒ کو جب معلوم ہوا تو آپ نے انہیں بلا کر وجہ پوچھی، انہوں نے عرض کیا کہ اگر حضور روحانی توجہات سے مجھے راہِ راست پر لے آئے تو ممکن ہے، ورنہ صرف نصیحت سے کچھ نہیں بنتا، حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فرمایا، بہت اچھا! کل اسی نیت سے میرے پاس آنا، جب دوسرے دن خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے خلوت میں بلا کر ذکرِ قلبی کی تعلیم دی اور ان کے دل پر توجہ کی، جس سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے لوگ ان کو اٹھا کر گھر لائے۔

اندرونی برتاؤ:

دوسرے دن جب ہوش آیا، تو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خانقاہ میں رہ کر سلوک باطنی شروع کیا پھر سلوک باطنی کے ختم ہونے کے بعد خلافت پائی اور اپنے وطن مالوف سہارنپور کو رخصت ہو گئے، وطن پہنچ کر آپ نے گوشۂ نشینی اختیار کی اور یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے، انہی دنوں میں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ (سیرت امام ربانی: 255، ایچ، ایم، سعید)

بیعت و تکمیل:

حضرت مجددؒ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ گویا آپ کے انتظار ہی میں بیٹھے تھے بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ قبول فرمایا حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی غیور اور بے تکلف تھی، کسی کو اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے لیکن یہاں طالب خود مطلوب تھا اور اللہ رب العزت نے حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجددؒ کی روحانی تکمیل کر کے اور خاص نسبت عطا کر کے جس کا طریقۂ نقشبندیہ اس زمانہ میں حامل تھا ایک نئی نوعیت اور طرز سے دین کی تجدید کا کام لینا، طریقت کو شریعت کے تابع بنانا، راستوں کے منازل کو طے کرانا اور وسائل سے مقاصد تک پہچانا مقصود تھا، حضرت خواجہ نے خلاف معمول فرمایا کہ

"آپ چند دن ہمارے پاس مہمان رہیں، ایک ماہ یا ایک ہفتہ ہی سہی۔"

حضرت خواجہؒ نے ہندوستان آنے کا ارادہ کیا تھا تو استخارہ کیا تھا تو استخارے کے بعد پتا چلا کہ ایک خوبصورت طوطا جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے، ان کے ہاتھ پر آ کر بیٹھ گیا وہ اپنا لعابِ دہن اس کے منہ میں ڈالتے ہیں اور وہ اپنی چونچ سے اُن کے منہ میں شکّر دے رہا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ طوطا ہندوستان کا جانور ہے، ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص تیار ہو گا جس سے ایک عالَم منور ہو جائے گا اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا۔

حضرت مجددؒ کیلئے اس ارشاد کے بعد انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی کیونکہ ان کے اندر طلب موجود تھی کرتے کراتے یہ قیام ایک مہینہ کو پہنچ گیا اس صحبت میں طریقۂ نقشبندیہ کے فیض حاصل کرنے کے بعد ایسا جزبہ بنا کہ بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے بغیر سوچ وفکر کے قبول کر لیا اور خلوت میں لے جا کر ذکر قلبی کی تلقین کی اور آپ کی توجہ سے ذکر قلبی جاری ہو گیا اور ایسی حلاوت اور لذت محسوس ہوئی

جو دن بدن ترقی کرتی رہی، حضرت خواجہ نے ان حالات اور ترقی کی رفتار کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہی وہ طوطا ہے جو خواب میں دکھایا گیا تھا، اس دو ڈھائی مہینہ میں حضرت مجدد ؒ کو جو باطنی ترقیات وکیفیات حاصل ہوئیں، جن کا بیان کرنا اور الفاظ کا سمجھنا اور سمجھانا ممکن نہیں، حضرت مجدد ؒ اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی اور دن بدن ترقی کی امید ہے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:4/119، مکتبۃ الحسن)

حضرت مجددالف ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے:

ان تمام صاحب بصیرت اور مصنف حضرات کا جن کی گیارہویں صدی کی اسلامی تاریخ پر عمومی اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ سے اسلام کی حفاظت و تقویت کا وہ پرانا اور زمانے کا نمایہ کام انجام دیا جس کو حدیث کی اصطلاح میں "تجدید" کہا گیا ہے اور جس نے ان کے سلسلہ میں ایسی شہرت حاصل کی ہے کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے اور جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح اور فکر اسلام کی صفائی اور تازگی، وقت کے اہم ترین اور سخت ترین فتنوں کو روکنا اور جڑ سے اکھیڑنا، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت وابدیت پر نئے سرے سے اعتقاد واعتماد قائم کرنا، لیکن اس عظیم اور وسیع تجدیدی دائرہ عمل کا نقطۂ مرکزی اور حضرت مجدد ؒ کا وہ اصل تجدیدی کارنامہ تھا، جس کو ان کے سارے تجدیدی کارناموں پر اولیت وفوقیت حاصل ہے؟

لوگوں نے اپنے ذوق ورجحان کے مطابق اس کا جواب دیا ہے، ان میں 3 گروہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اس لیے مجددالف ثانیؒ کہلانے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کو اسلام کے لیے دوبارہ حاصل کیا اور ہندوستان کو تاریکی میں جانے کے بجائے دوبارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کی سربراہی اور نگرانی میں دیا اور اس کو گیارہویں صدی ہجری (سولہویں صدی عیسوی) کی اہم صدی میں اس انجام اور آفت سے بچالیا، جو اس تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں پیش آنے والا تھا، بلکہ حقیقت میں ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس اعتقادی، ذہنی اور تہذیبی مرتد ہونے کے فوری خطرہ سے محفوظ کردیا۔

جو اکبر جیسی باعزم اور قوی وپختہ ارادہ شخصیت اور اس کے عزیز مشیروں (ملامبارک اور ابوالفضل) کی ذہانت ایک واقعہ بن کر سامنے آگیا تھا، یہ معنوی وروحانی انقلاب اور ذہنی تہذیب اور اس سیاسی زوال اور طاقت سے کہیں زیادہ سخت، دیرپا اور بلند خیال تھا، جو اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہندوستان کی غیر مسلم طاقتوں کے ابھرنے سے اور انیسویں صدی کے شروع میں انگریزوں کے غلبہ اور طاقت سے پیش آیا۔

دوسرے گروہ کے نزدیک ان کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے طریقت پر شریعت کی فوقیت وغالب ہونے کو ایسے پُر اعتماد، مبصرانہ اور تجربہ کارانہ انداز اور اس قوت وضاحت کے ساتھ بیان کیا جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا اور اس طریقت کا شریعت کے تابع بلکہ خادم ہونا روزروشن کی طرح واضح ہوگیا، بھلائی اور طریقت کے حلقہ میں شریعت سے استغناء بلکہ کہیں کہیں مخالفت اور مشقت ومجاہدہ اور باطنی حواس وطاقتوں پر پورا اعتماد کا جو فتنہ شروع ہوگیا تھا اور جس کا ہندوستان سب سے بڑا نشانہ تھا، وہ رک گیا اور ان کے بعد کسی کو کھل کر یہ کہنے کی ہمت نہ ہوئی کہ

"شریعت اور طریقت کے محلے الگ الگ ہیں اور طریقت پر شریعت کے پہرے نہیں بٹھائے جاسکتے"۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو ان کا اصلی تجدیدی کارنامہ یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے "وحدۃ الوجود" (یعنی اللہ رب العزت کی ذات کے وجود کو ایک ماننا) کے عقیدہ و نظریہ پر ایسی بھاری ضرب لگائی، جو اس سے پہلے کسی نے نہیں لگائی تھی اور پھر اس کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا، بلکہ اس کا رخ پھیر دیا جس نے آخری صدیوں میں پوری علمی و روحانی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور جس کے خلاف کسی پڑھے لکھے آدمی کا زیادہ بولنا، اپنی جہالت کا ثابت کرنا اور دوپہر کے وقت میں دن ہونے کا انکار کرنا تھا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت: 4/149، مکتبۃ الحسن)

ایک نئی تجدیدی شخصیت کی ضرورت:

لیکن اس مسئلہ کی وضاحت، اس سلسلہ میں حجت کو پورا کرنے کیلئے ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو سیر و سلوک کی ان پر خار دار وادیوں اور اعلی منازل سے گزر چکا ہو، حقیقت کے سمندر میں غوطہ لگانے والا ہو اور جو ان عملی تجربات کی موجوں اور طوفانی سمندر سے گزر کر ساحل حقیقت پر پہنچا ہو، وہ جہالت کو کسی چیز کے نہ ہونے کی دلیل نہ بنائے بلکہ ایک یقینی مشاہدہ اور ایک بلند ہمت و بلند نظر مسافر کی طرح پوری اعتمادی کے ساتھ علی وجہ البصیرت یہ کہے کہ جہاں تک توحیدِ وجودی کا تعلق ہے۔

ہوں اس کوچے کے ہر ذرہ سے آگاہ
ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہے۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

وحدۃ الوجود کے سلسلہ میں اس وقت تک تسلیم کرنے والے اور تسلیم نہ کرنے والوں کے 3 مسلک رہے ہیں۔

(1) وحدۃ الوجود کا مکمل ثبوت اور یہ کہ وہ ایک ظاہری حقیقت ہے اور تحقیق اور معرفت کی آخری منزل ہے۔

(2) وحدۃ الوجود کا مکمل انکار اور یہ کہ وہ وہم و خیال، خیالی قوت اور باطنی مشاہدہ کے سوا کچھ نہیں۔

(3) وحدۃ الوجود کے برابر وحدۃ الشہود کا نظریہ اور حقیقت میں سالک کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ یہ نہیں کہ وجود ایک ہے اور واجب الوجود کے سوا ہر وجود حقیقتاً معدوم ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہیکہ موجودات اپنی جگہ پر موجود اور قائم ہیں، لیکن اللہ تعالی کے حقیقی نور نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ معدوم نظر آتے ہیں اور جس طرح ستارے سورج کے طلوع ہونے کے بعد اس کے نور کے سامنے اس طرح ماند پڑ جاتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ ستارے نہیں ہیں تو وہ جھوٹا نہیں ہوگا، اسی طرح جو کچھ موجود ہو ان کا وجود کامل و حقیقی کے سامنے وہ ایسے بلا حقیقت نظر آتے ہیں کہ گویا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

شیخ مجددؒ کا اضافہ اور تجدیدی کارنامہ:

حضرت مجدد صاحبؒ نے ان 3 مسلکوں کے مقابلہ میں ایک 4 مسلک اختیار کیا، وہ یہ کہ وحدۃ الوجود مسافر کے سیر و سلوک کی ایک منزل ہے، اس کو واضح اور مشاہدۃً نظر آتا ہے کہ وجودِ حقیقی و کامل کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں، جو کچھ ہے وہ سب ایک ہی وجود ہے، باقی سب اس کی تفریعات ہیں یا شیخ اکبر اور اس مشرب وجودی کے عارفین کے بقول "تنزلات" ہیں، لیکن اگر توفیقِ الہی شامل حال ہو اور شریعت کا چراغ راہنما ہو اور مسافر کی ہمت بلند ہو، تو دوسری منزل بھی سامنے آجاتی ہے اور وہ وحدۃ الوجود کی ایک منزل ہے اس طرح حضرت مجددؒ وحدۃ الوجود (جو صدیوں تک بلند استعداد سالکین و عارفین اور حکماء اور غواصین یعنی غوطہ لگانے والے، کا مسلک رہا ہے) کی نفی اور اس کے سب سے بڑے

علمبر دار اور شارح اکبر محی الدین ابن عربی (جن کے علوم و معارف نکات و اسرار اور کمالات روحانی کا انحراف گھمنڈ ہے) کے بلند مقام، عند اللہ مقبولیت اور اخلاص کا انکار کیے بغیر، بلکہ بلند الفاظ میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے ایک اضافہ کرتے ہیں اور نئی دریافت کا اعلان کرتے ہیں، جو ایک طرف جمہور مسلمین کا عقیدہ، کتاب اللہ و سنت رسول کے مطابق ہے، دوسری طرف وہ پیچھے کی طرف لے جانے اور ایک بڑے گروہ کے علوم و تحقیقات کو مٹانے کے بجائے ایک ایسی چیز کا اضافہ کرتا ہے، جس سے نصوصِ شرعیہ، دلائل قطعیہ اور تحقیقات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت: 4/220، مکتبۃ الحسن)

ہندوستان میں اکبر بادشاہ نے اپنا دین جاری کیا تھا ہندوؤں اور مسلمانوں کو خلط ملط کر دیا، کہ مسلمان عورت ہندو کے گھر اور سکھ کے گھر ہے، عجیب قسم کا ایک ملغوبہ بنایا تھا اللہ تبارک و تعالی اپنے دین کے محافظ ہے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ نے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر حکومت کا مقابلہ کیا کئی سال گوالیار کے قلعہ میں نظر بند رہے مگر حق پر قائم رہے، انہوں نے بڑی دین کی خدمت کی ہے ان کے بعد شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے بیٹوں نے بھی دین کی بڑی خدمت کی ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ برصغیر پاک و ہند میں گیارہویں صدی کی عظیم شخصیت ہوئے ہیں یہ اس خطے کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے 80 یا 100 سال بعد اس سرزمین میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ پیدا ہوئے پھر تقریباً 100 بعد حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا زمانہ تھا، تو یہ عظیم شخصیتیں ہیں جن کی فکر اور حکمت بلند تھی اور انہوں نے بڑا کام کیا ہے مغلوں کے ابتدائی دور میں جب اس برصغیر میں سخت گمراہی پھیل رہی تھی، بادشاہ اکبر نے نیا دین بنا لیا تھا اور اس کے حواری جن میں ہندو اور مسلمان بھی شامل تھے، صرف اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے، خود اکبر کو باپ کی "حکومت" میں لڑائیوں سے فرصت نہ مل سکی لہذا وہ تعلیم حاصل نہ کر سکا، اس لیے اپنے غلط حواریوں کے مشوروں کی زد میں رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

"جب اللہ رب العزت کو مخلوق کی بہتری مطلوب ہوتی ہے تو بادشاہ وقت کے اچھے مشیر عطا کرتا ہے اور جب کسی قوم کی برائی مقصود ہوتی ہے تو پھر حکومت کے مشیر بھی غلط قسم کے لوگ ہوتے ہیں"

تو اکبر بادشاہ کو وقت بھی یہی تھی کہ اسے ابو الفضل فیضی اور ملا مبارک جیسے غلط مشیر آئے جنہوں نے اس غلط لائن پر کھڑا کیا کہ عقیدہ بھی غلط ہو گیا اور شریعت کے احکام بھی خلط ملط ہونے لگے اور ان حالات میں اللہ رب العزت نے اس سرزمین پر حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی شخصیت کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اپنے اسلام کی حفاظت کیلئے سخت مجاہدہ کیا، آپ کو جہانگیر کے دربار میں بلایا گیا تو آپ نے اسلامی طریقہ پر جا کر السلام علیکم کہا اور درباری طریقہ کے مطابق سجدہ نہ کیا، تو بادشاہ ناراض ہو گیا اور آپ کو 3 سال یا بعض روایات کے مطابق 7 سال تک گوالیار کی جیل میں قید و بند کی مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں۔

بہر حال امام مجددؒ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے غم و فکر کے مسئلہ کو ایک دوسرے طریقے سے حل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ غم وہ معیوب اور قابلِ اعتراض ہوتا ہے جو کسی دنیاوی چیز کیلئے ہو، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم و فکر آخرت کی چیزوں کے متعلق تھا، حضرت مجدد الف ثانیؒ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ انسانی ضروریات کی بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان سخت بے چین و پریشان ہوتا ہے، مثلاً: کمزور نظر

والے شخص کی اگر عینک گم ہو جائے تو اسے سخت تکلیف اور پریشانی ہو گی، تو حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بمنزلہ عینک کے تھے، جب وہ گم ہو گئے تو آپ سخت رنج و غم میں مبتلا ہو گئے۔ (تفسیر معالم العرفان:1690)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی محنت اس درجہ کی تھی کہ حضرت مجددؒ کی جماعت نے عوام سے لے کر شاہی محلات کے ذمہ داروں تک کی نظریاتی، فکری اور عملی زندگی کی تربیت فرمائی، جس کے نتیجہ میں دربارِ شاہی سے عظیم مجاہد اورنگ زیب عالمگیر پیدا ہوئے، عوام میں سے سینکڑوں علماء حق پیدا ہوئے، بالخصوص ان کے طریقۂ تربیت اور تعلیمات کے امین اور وارث حضرت شاہ عبد الرحیم دہلویؒ نے دلّی کے علاقہ میں ''مدرسہ رحیمیہ'' کی شکل میں عظیم علمی و روحانی مرکز قائم کیا۔

حضرت شیخ احمد سرہندیؒ وہ مجددِ کامل تھے، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت تامہ حاصل تھی، وہ پورے 2ہزار سال کیلئے مجدد بنائے گئے تھے، الحمدللہ اسلام کی روشن تاریخ کے ہر دَور میں ایسی متعدد جلیل القدر ہستیاں وجود میں آتی رہتی ہیں، جنہوں نے اپنے دَور کے حالات وضروریات کے لحاظ سے اس سے بھی زیادہ عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں، امام ابن تیمیہؒ امام غزالیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ وغیرہ نے بھی بے شمار انقلابی و تجدیدی کارنامے انجام دیئے، مگر انہیں مجدد کامل تو دُور کی بات، مجدد کا بھی خطاب حاصل نہ ہو سکا۔

اسی طرح کے آنے والے خیالات سے یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ دعوت و تبلیغ اور تجدیدی کارناموں کیلئے جو محنتیں اور کوششیں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کے ذریعے ہوئیں، ان سے پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور ان کے اثرات ایک ہزار برس تک رہیں گے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات ہی عالَم اسلام پر بیسویں صدی ہجری تک اثر انداز ہوں گی۔

علاماتِ تجدید:

حضرت سلطان الاولیاء خلیفۃ اللہ محمد زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر تجدید الف ثانی کی پہلی علامت ونشانی یہ ظاہر ہوئی کہ شریعت کے عین امور کے مطابق مشاہدات، تجلّیات، ظہورات، احوال، معارف اور علوم ظاہر ہونے لگے اور وحدت الوجود کے متعلقہ حالات جو اس سے بہت زیادہ آپ پر ظاہر ہوئے تھے، وہ ختم ہو گئے کیونکہ وہ ولایتِ صغریٰ میں سے ہیں۔

جب حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ولایتِ صغری سے ولایتِ کُبریٰ اور ولایت عُلیا کی طرف ترقّی کی، تو آپ پر عُلوم ومعارفِ شرعیہ ظاہر ہونے لگے اور اللہ تعالی نے اپنے فضل و کرم سے تجدید الف ثانیؒ کی خلعت آپ کو عنایت فرمائی۔

نزولِ خلعت:

ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ صبح کے وقت جب حلقہ میں بیٹھے تھے، تو حالتِ کشفی میں کیا دیکھتے ہیں، کہ جناب سرورِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء کی جماعت سمیت تشریف فرما ہوئے ہیں اور خود اپنے دستِ مبارک سے ایک نہایت ہی عمدہ پوشاک حضرت مجدد الف ثانیؒ کو پہنائی اور فرمایا، کہ یہ تجدیدِ الف ثانی کی خلعت ہے، اس خلعت کا نزول آپ پر بروز جمعہ 10 ماہ ربیع الاول سن 1010 ہجری کو ہوا۔
(سیرت امام ربانی:77، ایچ، ایم، سعید)

گیارہویں صدی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کو مجدد کے لقب سے سب سے پہلے ملا عبد الحکیم سیالکوٹی نے ملقب کیا، جو جہاں کے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور جن کی تصنیفات دنیائے اسلام میں شائع اور رائج ہیں، اللہ رب العزت نے اس لقب کو ایسا مقبول کیا کہ زبانِ خلق پر ان کا نام ہی مجدد الف ثانیؒ قرار پایا۔ (مکاتبت سلیمان:256)

حضرت مجددؒ کی تصنیفات ورسائل:

(1)"اثبات النبوۃ" (2)"ردّروافض" (3)"رسالہ تہلیلیہ" (4)"شرح رباعیات" (5)"معارف لدُنیہ" (6)"مبدا ومعاد" (7)"مکاشفات عینیہ" (8)"مکتوباتِ امام ربّانی"۔ (تاریخ دعوت وعزیمت:4/309، مکتبۃ الحسن)

شیخ احمد سرہندیؒ کی وفات:

سنہ 1034ھ کے ماہ صفر کے ختم میں جب دو تاریخیں باقی تھیں تو آپ کا سرہند شہر میں انتقال ہوا اور ان کے صاحبزادے محمد سعید نے آپ کا نمازِ جنازہ پڑھایا اور وہیں دفن کئے گئے اور وہیں قبر اب تک مشہور ہے۔ (گیارہویں صدی کے علمائے برِصغیر:103، دارالاشاعت)

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

تمت بالخیر

مراجع ومصادر

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	مکتبہ
1	تاریخ دعوت وعزیمت	مولانا ابوالحسن ندویؒ	مکتبۃ الحسن
2	سیرت امام ربّانی	علامہ ابوالبیان محمد داؤد	ایچ،ایم،سعید
3	تذکرہ امام ربّانی مجدد الف ثانی	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	دارالاشاعت
4	گیارہویں صدی کے علمائے برصغیر	مولانا سید عبدالحی بن فخر الدین	دارلاشاعت
5	تفسیر معالم العرفان	مولانا عبدالحمید سواتی صاحب	مکتبۃ الجبرائیل یونیکوڈ
6	مکاتبت سلیمان	محمد زید مظاہری ندوی	ادارہ افادات اشرفیہ لکھنؤ